AFKĀR *Research Journal of Islamic Studies*
Volume 2, Issue 2, Dec.2018, PP:67-80
E-ISSN 2616-8588 ; P-ISSN 2616-9223
www.afkar.com.pk; www.iri.aiou.edu.pk
Print & Online:22nd Dec., 2018, Reprint:31st March, 2019

Scan for Download

پاکستان میں نفاذِ اسلام کے لیے کی جانے والی قانونی کاوشوں کا جائزہ
(۱۹۷۹ء سے ۱۹۹۸ء تک)

An Analysis of Legal Efforts for Enforcement of Islām in Pakistan
(from 1979 to 1998)

Dr. Abdul Rehman Khan
Assistant Professor
Department of Islamic Studies
University of The Poonch, Rawalakot, AJK
Email: drabdulrehmank@gmail.com

ABSTRACT

The foundation of Pakistan is on Islamic Ideology and it could be observed in several speeches of the founder of this country Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah. The movement for a separate and individual country for Muslims having the manifesto of Islām and active participation of Muslim scholars in such movment signifies that this counry namely Pakistan was created for the the promotion and enforcement of Islamic teachings. After the creation of this country the leadership tried several times through legislations for Islamic legal system. The active process of such efforts was the era of general Zia-ul-Haq at late 1970. This article discusses constitutional and legal efforts have been made for enforcement of Islām in Pakistan from 1979 to 1998. It also describes the provisions of the Constitution that islamised and highlights some other laws enacted for the promotion of Islamization. It focuses on Federal Sharīʻah Court, Sharīʻah Appellate Bench, Zakat & Ushr Ordinance 1980, The ordinance for the non-Muslims of the Qadianis, Ordinance 1984, Nifaẓ e Sharīʻah Act 1990, Ninth Amendment 1985, Nifaz Sharīʻah Ordinance 1988, Sharīʻah Bill 1991, and 15th Amendment Act 1998.

Keywords: *Constitution, Federal Sharīʻah Court, Sharīʻah Appellate Bench, Zakat & Ushr Ordinance 1980, Nifaz Sharīʻah Ordinance 1988.*

CC BY

تمہید

پاکستان نظریہ اسلام کی بنیاد پر وجود میں آیا ہے۔تحریک پاکستان کے بانی قائد اعظم محمد علی جناح کی متعدد تقاریر و بیانات میں واضح طور پر پاکستان بنانے کا مقصد اسلامی نظام کا نفاذ بتایا گیا ہے۔اسی طرح تحریک پاکستان میں شامل متعدد جید علماء کا تحریک پاکستان میں پیش پیش رہنا اس بات کی غماضی کرتا ہے کہ پاکستان اسلامی نظام کے قیام کے لیے بنایا گیا ہے۔پاکستان بننے کے بعد اسی مشن کی تکمیل کے لیے بہت سی آئینی وقانونی کاوشیں کی گئیں،جن میں قرادمقاصد کی منظوری اور آئین پاکستان (۱۹۷۳ء) کی اسلامی دفعات نمایاں کارنامے ہیں۔اس کے بعد بھی پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے آئینی و قانونی کوششیں جاری رہیں۔ان میں خاص طور پر ۱۹۷۷ء سے ۱۹۹۸ء تک کا زمانہ بہت اہم رہا،جس میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے بہت سی آئینی و قانونی کوششیں کی گئیں۔زیر نظر مقالہ میں انہی کاوشوں کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

آئین(دستور)اور قانون میں فرق

آئین (دستور) سے مرادوہ دستاویز ہے جو حکومت چلانے کے قواعد وضوابط سے بحث کرتی ہے۔اس آئین (دستور) کو حکومتی قانون کہا جاسکتا ہے۔مروج قانون سے مرادوہ قواعد وضوابط ہیں جو عوام کے لیے بنائے جاتے ہیں۔[1]
آئین (دستور)اور قانون میں گہرا ربط ہے۔اس لیے کہ جیسا آئین ہوگا حکومت ویسا ہی قانون مرتب کرے گی۔

آئینی کاوشوں کا جائزہ

جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے دور حکومت(۱۹۷۹-۱۹۸۵ء)میں آئین پاکستان میں فرامینِ صدر کے عنوان سے ۲۴ ترامیم پیش کیں جن میں سے ۱۶ ترامیم کا براہ راست تعلق اسلامی دفعات سے ہے۔ان میں سے ۱۱ ترامیم وفاقی شرعی عدالت سے متعلق ہیں اور ۳ ترامیم کا تعلق اسلامی نظریاتی کونسل سے ہے،جب کہ ایک ترمیم کا تعلق ہائی کورٹس میں شریعت بنچوں کے ساتھ ہے۔بعدازاں ۱۹۸۵ء میں قومی اسمبلی نے ان فرامین صدر کی منظوری دے دی جس سے یہ ترامیم قانونی طور پر آئینِ پاکستان میں شامل ہو گئیں۔

ا۔وفاقی شرعی عدالت

آئین پاکستان کے حصہ ہفتم (نظام عدالت) کے باب ۳۔الف میں وفاقی شرعی عدالت کا بیان ہے۔ابتداء یہ فرمان صدر نمبر ا مجریہ ۱۹۸۰ء کے تحت دستور میں شامل کیا گیا،جس میں وقتاًفوقتاً ترامیم ہوتی رہیں۔اس وقت ہمارے پیش نظر آئین پاکستان کا ترمیم شدہ لغایت ۲۸/فروری،۲۰۱۲ء کا ایڈیشن ہے۔اس کے تحت آرٹیکل ۲۰۳(الف تا ی) میں وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپیلیٹ بنچ سے متعلق تفصیلات درج ہیں۔
ہم سب سے پہلے وفاقی شرعی عدالت سے متعلق دفعات کا خلاصہ پیش کریں گے،جس سے اس عدالت کا ڈھانچہ، طریقہ کار،دائرہ کار اور یہ کس حد تک اثرانداز ہیں،اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

اس دفعہ ۲۰۳ کے مطابق وفاقی شرعی عدالت تشکیل دی جائے گی۔جس کے احکام دستور میں شامل کسی امر کے باوجود مؤثر ہوں گے۔دستور، مسلم شخصی قانون، عدالت یا ٹریبونل سے متعلق ضابطۂ کار کے احکامات وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار میں شامل نہیں ہیں۔اسی طرح اپنے قیام (۱۹۸۰ء) سے دس سال تک کوئی مالی قانون، محصولات، فیسوں کے عائد کرنے اور جمع کرنے، بنکاری اور بیمہ وغیرہ کے عمل اور طریقہ کار سے متعلق کوئی حکم جاری نہیں کرے گی۔یہ عدالت چیف جسٹس سمیت آٹھ ججوں پر مشتمل ہو گی۔جن کا تقرر صدر آرٹیکل ۱۷۵(الف) کے تحت کرے گا۔ان آٹھ میں سے تین ججز ایسے علماء ہوں گے جو اسلامی قانون، تحقیق اور تدریس کا کم از کم پندرہ سالہ تجربہ رکھتے ہوں۔ان کے عہدے کی مدت تین سال کے لیے ہو گی اور انہیں اپنے عہدوں سے نہیں ہٹایا جاسکے گا سوائے عدالت عظمیٰ کے جج کو ہٹانے کی صورتوں کے۔[2]

وفاقی شرعی عدالت کے علماء ججز کی مدت عہدہ کا تقابل سپریم کورٹ کے ججز کے ساتھ ہونا چاہیے، چوں کہ بار بار بدلنے سے بھی کارکردگی میں فرق آتا ہے اور حکومت غلط فائدہ اٹھاتی ہے جیسے جنرل مشرف نے اپنے دور میں سود کیس میں کیا کہ علماء ججز کو الگ کر کے انسداد سود کے معاملے کو ادھورا رکھا گیا۔

اختیارات کے حوالے سے بیان کیا گیا کہ عدالت خود اپنی کسی تحریک پر، یا پاکستان کے کسی بھی شہری یا وفاقی حکومت یا صوبائی حکومت کی درخواست پر کسی سوال کا جائزہ لے سکے گی اور فیصلہ کر سکے گی کہ آیا یہ قانون یا قانون کا کوئی حکم قرآن سنت کے احکام کے منافی تو نہیں ہے۔قانون کے غیر شرعی ہونے یعنی قرآن وسنت کے منافی ہونے کی صورت میں عدالت وفاقی حکومت یا صوبائی حکومت کو، اگر وہ معاملہ وفاقی قانون سازی کی فہرست میں شامل نہ ہو، ایک نوٹس بھیجے گی، جس میں انہیں مذکورہ قوانین کی وضاحت کے لیے مناسب وقت دیا جائے گا۔متعلقہ حکومت کی وضاحت کے بعد اگر شرعی عدالت کا فیصلہ من وعن رہا یا وہ قانون جس حد تک قرآن وسنت کے منافی ہے، کے بارے میں عدالت حکومت کو ایک متعین تاریخ دے گی جس میں عدالت کا فیصلہ مؤثر ہوگا۔فیصلہ کے نفاذ کی معین تاریخ سے پہلے اگر حکومت اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کر دے تو وہ وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ مؤثر نہیں رہے گا۔اگر اپیل نہیں کی گئی تو وفاقی قانون سازی کی فہرست کی صورت میں صدر اور صوبائی فہرست قانون سازی کی صورت میں گورنر مذکورہ قانون میں ترمیم کے پابند ہوں گے تاکہ وہ اسلامی احکام کے مطابق ہو جائے اور عدالت کی مقرر کردہ تاریخ پر سابقہ قانون غیر مؤثر ہو جائے گا۔[3]

اسی طرح عدالت حدود کے نفاذ سے متعلق فوجداری عدالت کے کسی فیصلے کا ریکارڈ طلب کر سکے گی تاکہ وہ اس بات کا جائزہ لے کہ آیا یہ فیصلہ قرآن وسنت کے منافی تو نہیں۔اس کے جائزہ لینے تک اس فیصلے کی روشنی میں دی جانے والی سزا کو روک دیا جائے گا۔اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت مذکورہ فیصلہ کو کالعدم یا سزا میں اضافہ و کمی وغیرہ کرنے کا اختیار رکھے گی۔سزا میں اضافہ کی صورت میں ملزم کو اپنی صفائی بیان کرنے کا پورا اختیار دیا جائے گا۔عدالت کو اپنے کارہائے منصبی کی انجام دہی میں وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء کے تحت دیوانی عدالت کو حاصل ہوتے ہیں اور اسے اپنی مرضی سے کارروائی کے لیے طریقہ کار منضبط کرنے کا اختیار ہوگا۔عدالت کی توہین کی صورت میں اسے سزا دینے کے لیے عدالت عالیہ کے اختیارات حاصل ہوں گے۔عدالت

میں کسی درخواست دہندہ کے لیے ماہر قانون ہونا ضروری نہیں بلکہ ایک عام شخص جسے احکام اسلام کا جس حد تک علم ہے، وہ کسی بھی حوالے سے عدالت میں اپنی درخواست کو احکام اسلامی کی تصریح کے ساتھ پیش کر سکتا ہے۔ عدالت سے استفسار کی غرض سے وہ ملک یا بیرون ملک سے کسی بھی اسلامی قانون کے ماہر کو مدعو کر سکتا ہے۔ عدالت میں درخواست وغیرہ جمع کروانے کی کوئی فیس وصول نہیں کی جائے گی۔ اور عدالت کو اپنے کسی فیصلہ پر نظر ثانی کا اختیار حاصل ہو گا۔[4]

۲۔ شریعت اپیلیٹ بنچ

عدالت کے فیصلے پر کسی فریق کی ناراضی کی صورت میں قطعی فیصلے کے خلاف ساٹھ دنوں میں سپریم کورٹ میں اپیل کا اختیار حاصل ہے، جب کہ وفاقی یا صوبائی حکومت کی طرف سے اپیل چھ ماہ کے اندر اندر کی جاسکے گی۔ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی صورت میں عدالت عالیہ ایک بنچ تشکیل دے گی جو شریعت اپیلیٹ بنچ یا شریعت مرافعہ بنچ کے نام سے موسوم ہو گا۔ یہ بنچ سپریم کورٹ کے تین مسلمان ججوں اور صدر کی طرف سے دو علماء کو وفاقی شرعی عدالتوں کے ججوں یا چیف جسٹس کی مشاورت سے، بغرض خاص اس بنچ میں شامل کرے گا جن کے عہدے کی مدت کا فیصلہ صدر کرے گا۔ یہ بنچ مذکورہ فیصلہ کی سماعت کرے گا اور اسے وہی اختیار حاصل ہوں گے جو سپریم کورٹ کے کسی جج کو حاصل ہوں گے اور اس فیصلہ سے متعلق سپریم کورٹ سمیت اور کسی عدالت کو سماعت کا اختیار نہیں ہو گا۔

اس بنچ کا فیصلہ عدالت عالیہ اور ماتحت عدالتوں کے لیے واجب التعمیل ہو گا۔ زیر سماعت کارروائی سے متعلق عدالت کوئی حکم امتناعی یا عبوری حکم جاری نہیں کر سکے گی۔[5]

بلاشبہ یہ ادارہ ملکی قوانین کو شریعت اسلامی سے ہم آہنگ کرنے میں اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے مطابق مملکت کے کسی شہری کو قوانین کے حوالے سے اختلاف ہو کہ وہ قرآن وسنت سے منافی ہیں تو بلا کسی معاوضہ ووکیل کے از خود درخواست سادہ پیپر پر ڈاک کے ذریعے یا بذات خود عدالت میں جمع کرواسکتا ہے۔ بعد میں اس پر جرح اور دیگر دلائل کے لیے عدالت خود فریقین کو نوٹس دے کر دلائل کے لیے ضابطہ تیار کرے گی۔ اور اس کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں قائم کردہ صرف شریعت اپیلیٹ بنچ ہی سماعت کر سکے گا۔ جس میں صدر اسی عدالت کے دو جج یا چیف جسٹس کی مشاورت سے نامزد کردہ علماء کو بطور جج شامل کرے گا۔

اس دفعہ میں قابل اعتراض پہلو یہ ہے کہ کچھ احکامات کو اس کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا ہے جن میں دستور، مسلم شخصی قانون، عدالت یا ٹربیونل سے متعلق ضابطہً کار کے احکامات وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار میں شامل نہیں ہیں، اس شق پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ اس عدالت کا بنیادی مقصد قانون وسنت کی بالادستی ہے اور مملکت خداداد پاکستان جو کہ نظریہ اسلام پر قائم ہوا ہے، پر تمام احکامات کا قرآن وسنت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا عدالت کے دائرہ اختیار کو ملک کے کسی بھی قانون اور قانون پر حکم کو عدالت کے دائرہ اختیار میں رکھا جائے۔

مزید یہ کہ شریعت اپیلیٹ بنچ کے جج علماء کی مدت ملازمت، تقرری وبرطرفی وغیرہ کا دیگرعدالتوں کے ججوں کے مطابق نہیں۔اس سے حکومت کسی وقت کوئی فیصلہ رکوانے کے لیے کسی جج کو برطرف یا اسے مستعفی ہونے پر مجبور کر سکتی ہے اور مطلوبہ اراکین کی عدم موجودگی میں وہ بنچ کا فیصلہ تاخیر کا شکار ہو جائے گا،اس کا ازالہ کیا جانا چاہیے۔مزید اس بنچ کے تین ججز جو عدالتِ عالیہ کے تین مسلم جج ہوں گے،ان کے بارے میں بھی یہ شرط رکھی جائے کہ انہیں اسلامی قانون وفقہ پر مہارت ہو۔ظاہر ہے ایسے جج ہی شریعت کے کسی فیصلہ کو قرآن وسنت کے منافی یا موافق قرار دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف حکومت کو سپریم کورٹ میں جانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے البتہ اپیل کا حق ضرور دیا جائے لیکن وہ وفاقی شرعی عدالت کا خصوصی بنچ کرے جس میں خصوصی طور پر ماہرین کی خدمات حاصل کی جاسکیں نیز وفاقی شرعی عدالت خود کسی معاملے کو نظریاتی کونسل میں بھجوا سکے،اسے اسمبلی کی مدد کی ضرورت نہ ہو۔

ملی مجلس شرعی کی جانب سے متفقہ پندرہ نکات میں سے چوتھا نکتہ اسی دفعہ سے متعلق ہے۔جس میں مطالبہ کیا گیا کہ وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپیلیٹ بنچ کے ججوں کی مدت ملازمت اور دیگر شرائط دیگرعدالتوں کے ججوں کے برابر کی جائیں۔اسی طرح کچھ قوانین کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار سے مستثنیٰ قرار دیا گیا،ان پر نظر ثانی کی جائے اور ہر طرح کے قوانین پر نظر ثانی کا اختیار دیا جائے۔اسی طرح مذکورہ عدالت اور بنچ کو پابند کیا جائے کہ وہ پٹیشنوں اور اپیلوں پر مناسب وقت پر فیصلہ کریں۔اسی طرح صوبائی، ضلعی اور تحصیل کی سطح پر بھی علماء ججوں کا تقرر کیا جائے۔

۱۹۵۳ء میں مشاہیر علماء کی طرف سے مندرجہ ذیل تجویز میں بنیادی طور پر وفاقی شرعی عدالت کی طرز پر ہی ایک ادارہ قائم کرنے کی سفارش پیش کی تھی جو قوانین کو قرآن وسنت کے منافی یا موافق ہونے کا فیصلہ کر سکے۔چناں چہ اس رپورٹ میں تجویز دی گئی کہ :

> قانون ساز کے بنائے ہوئے قوانین کے خلاف جو دستوری اعتراضات یا تعبیر دستور کے مسائل پیدا ہوں ان کا فیصلہ کرنے کے لیے سپریم کورٹ میں پانچ علماء مقرر کیے جائیں گے جو سپریم کورٹ کے کسی ایسے جج کے ساتھ جسے امیر مملکت تدوین وتقویٰ اور واقفیت علوم وقوانین اسلامی کے پیش نظر اس مقصد کے لیے نامزد کرے گا ملکر اس امر کا فیصلہ کریں گے کہ قانون کتاب وسنت کے مطابق ہے یا نہیں۔
>
> ۱)ان علماء کا تقرر اسی طریقے سے ہوگا جو سپریم کورٹ کے ججوں کے لیے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات میں تجویز کیا گیا ہے۔
>
> ۲)اس منصب کے لیے صرف ایسے ہی علماء اہل ہوں گے جو
>
> (الف)۔کسی دینی ادارے میں کم از کم دس سال تک مفتی کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہوں یا
>
> (ب)۔کسی علاقے میں کم از کم دس سال تک مرجع فتویٰ رہے ہوں یا
>
> (ج)۔کسی باقاعدہ محکمہ قضا شرع میں کم از کم دس سال تک قاضی کی حیثیت سے کام کر چکے ہوں یا

(د)۔کسی دینی درسگاہ میں کم از کم دس سال تک تفسیر حدیث یا فقہ کا درس دیتے رہے ہوں۔

یہ انتظام پندرہ سال کے لیے ہوگا اور اگر ضرورت ہو تو رئیس مملکت اس مدت میں توسیع کر سکتا ہے۔[6]

اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت کے ججوں اور سپریم کورٹ میں شریعت اپیلیٹ بنچ کے ججوں کے معیار اور اہلیت کے حوالے سے ان تجاویز سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔زکوٰۃ و عشر آرڈیننس ۱۹۸۰

صدر مملکت جنرل ضیاء الحق نے ۲۰ جون ۱۹۸۰ء کو پاکستان میں زکوٰۃ و عشر آرڈیننس نافذ کیا۔اس آرڈیننس کے ذریعے حکومت کو اختیار دیا کہ وہ بینکوں میں جمع شدہ رقوم میں سے ڈھائی فی صد زکوٰۃ کی مد میں کاٹے جا سکتے ہیں۔[7]

بلاشبہ زکوٰۃ و عشر آرڈیننس پاکستان میں اسلامائزیشن کے لیے اچھا قدم تھا۔تاہم اس سلسلے میں بہت سے پہلوؤں کا خیال نہیں رکھا گیا۔مثلاً حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ لوگوں کے اموال ظاہرہ سے زکوٰۃ سے وصول کر کے مصارفین زکوٰۃ کو دے۔لیکن آرڈیننس میں صرف بنک کی رقوم سے زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے۔جب کہ اموال ظاہرہ میں بنک کے علاوہ بھی لوگوں کے پاس مویشیوں، مال تجارت اور دیگر انواع کی صورت میں مال ہوتا ہے جس کی وصولیابی کا حکومت نے کوئی انتظام نہیں کیا۔مزید اس آرڈیننس کے موثر نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا مستحقین زکوٰۃ کے حوالے سے عوام کا عدم اطمینان ہونا بھی ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ بہت سے افراد زکوٰۃ کی کٹوتی کے وقت رقم بنک سے نکلوا دیتے ہیں۔زکوٰۃ کا اصولی تصور جو دین اسلام دیتا ہے وہ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے:

عن ابن عباس ﷺأن النبي ﷺ بعث معاذاﷺ إلى اليمن فقال ادعهم إلى شهادة أن لاإله إلاالله وأني رسول الله فإن هم أطاعوالذلك فأعلمهم أن الله قدافترض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة فإن هم أطاعوالذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة في أموالهم تؤخذ من أغنيائهم وتردعلى فقرائهم-[8]

ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے معاذؓ کو یمن بھیجا اور فرمایا کہ تم انہیں یہ شہادت دینے کی دعوت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ اس کو مان لیں تو انہیں یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک دن ورات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔اگر وہ اس کو مان لیں تو انہیں یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں کو دی جائے گی۔

اس حدیث میں یہ اصول بیان کیا گیا کہ زکوٰۃ مالداروں سے لے کر وہیں کے فقیروں میں تقسیم کی جائے گی۔اس سلسلے میں قانون سازی اس طور پر ہونی چاہیے کہ مقامی افراد کو عاملین زکوٰۃ مقرر کیے جائیں اور مقامی مالداروں اور فقراء کی فہرستیں مرتب کی جائیں۔اور پوری دیانت داری سے زکوٰۃ مستحقین کو پہنچائی جائے۔اس کے فوائد بھی عوام کے سامنے ہوں گے اور لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ بھی بخوشی ادا کریں گے۔

4۔ قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے سے متعلق آرڈیننس

جنرل ضیاء الحق نے قادیانیوں سے متعلق ایک آرڈیننس پاس کیا، اوراس آرڈیننس کو آئینی تحفظ حاصل ہے۔اس آرڈیننس کا مقصد یہ تھا کہ ضیاء الحق نے اقتدار سنبھالنے کے بعد مارشل لاء لگالیا تھااور آئین کو معطل کر دیا تھا۔بعدازاں آئین میں بہت سی اسلامی دفعات کو شامل کیا۔اس سلسلے میں ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کے کفر سے متعلق دفعہ کی توثیق کے لیے آرڈیننس منظور کیا جس میں قادیانیوں کو بدستور آئینی طور پر کافر قرار دیا گیا۔اس آرڈیننس کے الفاظ یہ تھے:

"بذریعہ ہذا اعلان کیا جاتا ہے اور مزید توثیق کی جاتی ہے کہ وفاقی قوانین (نظرثانی واستقرار) آرڈیننس مجریہ سال ۱۹۸۱ء (نمبر ۲۷ سال ۱۹۸۱ء کی جدول اول میں دستور (ترمیم ثانی) ایک بابت سال ۱۹۷۴ء (نمبر ۱۹ بابت سال ۱۹۷۴ء) کی شمولیت سے جس کی روسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور ۱۹۷۳ء میں مذکورہ بالا ترامیم شامل کی گئی تھیں۔

(الف) مذکورہ بالا ترامیم کا تسلسل متاثر نہیں ہوااور نہ ہوگا جو مذکورہ بالا دستور کی جزو کی حیثیت سے برقرار ہیں۔

(ب) قادیانی گروپ یالاہوری گروپ کے اشخاص کی (جو خود کو "احمدی" کہتے ہیں) غیر مسلم کے طور پر حیثیت تبدیل نہیں ہوئی ہے اور نہ ہوگی اور وہ بدستور غیر مسلم ہیں۔"[9]

۵۔ قادیانیوں کے خلاف اسلام سرگرمیوں سے متعلق ارڈیننس ۱۹۸۴ء

صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے قادیانیوں، لاہوری گروپ اوراحمدیوں کی خلاف اسلام سرگرمیوں کے خلاف آرڈیننس ۱۹۸۴ء میں جاری کیا، جو عدالتوں کے احکام اور فیصلوں پر غالب ہوگا۔اس آرڈیننس کے مطابق قادیانی اوراحمدی نبی کریم ﷺ اور صحابی کے علاوہ کسی اور شخص کے لیے امیر المومنین، خلیفۃ المومنین، صحابی یا رضی اللہ عنہ نام استعمال نہیں کر سکتے۔اپنی عبادت گاہ کو "مسجد" نہیں کہہ سکتے، اپنے مذہب کو بطور اسلام پیش نہیں کر سکتے۔ایسا کرنے کی صورت میں انہیں سزائے قید جو تین سال ہوسکتی ہے اور جرمانہ بھی عائد کیا جائے گا۔[10]

۶۔ جدول سوم عہدوں کے حلف

آئین پاکستان ضمیمہ میں صدراور وزیراعظم کے عہدوں کے حلف نامہ کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوتا ہے اور اس کے بعد صدر اور وزیراعظم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ، کتب سماوی اورآخری کتاب قرآن مجید، نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت، قیامت اور قرآن وسنت کے مقتضیات وتعلیمات پر ایمان رکھتے ہیں۔

آخر میں وہ پاکستان کا حامی ووفادار ہونے کا عہد کرتے ہیں۔

تمام مناصب کے عہدوں کے حلف نامے کے آخر میں فرمان صدر ۱۴ مجریہ ۱۹۸۵ء کے آرٹیکل ۲ اور جدول کی روسے مندرجہ ذیل الفاظ کا اضافہ کیا گیا۔"[اللہ تعالیٰ میری مدد اور رہنمائی فرمائے (آمین)۔]"[11]

۷۔نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۹۰ء

۱۳/جون ۱۹۸۵ء کو سینٹر مولانا سمیع الحق اور سینٹر مولانا قاضی عبدالطیف نے سینٹ میں پرائیویٹ طور پر تیار کردہ شریعت بل منظوری کے لیے پیش کیا۔اس شریعت بل کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

قرارداد مقاصد چوں کہ آئین کا مستقل حصہ ہے لہذا ایون بالا سینٹ اپنی آئینی اختیارات کے ذریعے حسب ذیل قانون منظور کرے۔

دفعہ ۱ میں اس قانون کو قانون نفاذ شریعت کا نام دیا گیا۔اور منظوری سے فوری نافذ العمل ہو گا البتہ اس کا اطلاق غیر مسلم باشندوں پر نہیں ہو گا۔

دفعہ ۲ میں میں شریعت کی قانونی تعریف بیان کی گئی۔اور قرآن،سنت،اجماع اور قیاس واجتہاد کو شرعی قوانین کا ماخذ قرار دیا گیا۔

دفعہ ۳ کے مطابق مقننہ کوئی قانون جو شریعت کے خلاف ہو،منظور نہیں کرے گی۔اگر ایسا کیا گیا تو اسے وفاق شرعی عدالت میں چیلنج کیا جائے گا جس کا مکمل فیصلہ آنے تک اس پر عملدر آمد کو موخر رکھا جائے گا۔

دفعہ ۴ کے،مطابق ملکی عدالتوں کے خلاف شریعت فیصلوں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہو گی۔

دفعہ ۵ کے مطابق وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیار کو محدود نہیں رکھا جائے گا۔

دفعہ ۶ اور ۷ کے مطابق انتظامیہ کا کوئی فرد جائے وصدر یا وزیر اعظم ہی کیوں نہ ہو،خلاف شریعت فیصلہ نہیں دے سکتا اور شرعی عدالت کے فیصلے ملک کے تمام افراد پر یکساں نافذ ہوں گے۔

دفعہ ۸ اور ۹ کے مطابق اسلامی فرقوں کے شخصی معاملات اپنے اپنے فقہی مسلک کے مطابق ہوں گے اور ہر ایک کو اپنی مذہبی تعلیم حاصل کرنے کی پوری آزادی ہو گی۔

دفعہ ۱۰ اور ۱۱ کے مطابق عدالتوں میں ججز علوم شرعیہ کے ماہرین مقرر کیے جائیں گے اور ان کی موثر تعلیم وتربیت کی جائے گی۔

دفعہ اور ۱۲ اور ۱۳ کے مطابق قرآن وسنت کی وہی تعبیر معتبر ہو گی جو اسلاف کے مطابق ہو گی اور انتظامیہ،عدلیہ اور مقننہ کے افراد شریعت کے موانع سے اجتناب کریں گے۔

دفعہ ۱۴،۱۵ اور ۱۶ کے مطابق ذرائع ابلاغ سے فحاشی کو دور کرنا،حرام خوری پر پابندی اور افراد کے بنیادی حقوق کے خلاف کوئی حکم جاری نہیں کیا جائے گا۔اگر کوئی ایسا حکم دیا گیا تو اس کی قانونی حیثیت بھی نہیں ہو گی۔[12]

تقریباً پانچ سال کے بعد ۱۳/مئی ۱۹۹۰ء کو سینٹ نے متفقہ طور پر اس بل کی منظوری دی۔ان پانچ سالوں کے دوران متعدد کمیٹیوں میں مسودہ شریعت بل زیر بحث رہا۔ان کی طرف سے متعدد ترامیم تجویز کی گئیں۔مزید سینٹ سیکرٹریٹ کی جانب سے اس بل کی عوامی سطح پر تشہیر کی گئی تاکہ عوام الناس کی رائے بھی لی جاسکے۔مختلف حلقوں کی جانب سے بھی اس بل میں ترامیم تجویز کی گئیں۔بہر حال متعدد ترامیم کے بعد سینٹ نے بل کی منظوری دی۔اس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

- بل کے آغاز میں لکھا گیا کہ چوں کہ قرارداد مقاصد پاکستان میں شریعت کے نظام کی تنفیذ چاہتی ہے اور اس قرارداد کو ائین پاکستان کے قابل عمل حصے میں شامل کرلیا گیا ہے۔لہٰذا شریعت کا نفاذ ہماری آئینی ذمہ داری ہے۔نیز یہ ایکٹ نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۹۰ء کہلائے گا۔اس کادائرہ پورے پاکستان پر محیط ہو گا اور یہ فوری نافذ العمل ہو گا۔اس میں شامل قوانین کا اطلاق غیر مسلموں پر نہیں ہو گا۔
- مملکت خداداد پاکستان میں شریعت کی بالادستی ہو گی اور یہ ملک کا سپریم قانون ہو گا۔
- ملک کی عدالتیں اس بات کی پابند ہوں گی کہ وہ شریعت کے مطابق فیصلے کریں۔اسی طرح آیا کوئی قانون کتاب وسنت کے منافی ہے یا نہیں اس کے لیے عدالت عالیہ سے رجوع کیا جائے گا۔جس پر عدالت عالیہ اس سوال کو وفاقی شرعی عدالت کی رائے معلوم کرنے کے لیے بھیجے گی اگر وہ اس کے دائرہ اختیار میں آتا ہو اور مذکورہ ساٹھ دن کے اندر اندر فیصلہ کرے گی کہ قانون قرآن سنت کے منافی ہے یا نہیں۔اگر کوئی معاملہ اس کے دائرہ سے باہر ہے تو عدالت عالیہ اس پر امر تنقیح طلب کر کے ساٹھ دن کے اندر اندر فیصلہ کرے گی۔
- عدالت عالیہ خود اپنی کسی تحریک پر، یا قومی اسمبلی، صوبائی اسمبلی، یا کسی بھی فرد کی طرف سے کسی سوال کا جائزہ لے گی کہ آیا کوئی شخصی قانون، عدالتی قانون وغیرہ کے بارے میں فیصلہ کر سکے گا کہ آیا یہ قانون شریعت کے منافی ہے یا نہیں۔لیکن ان میں سے جس معاملہ کا تعلق وفاقی شرعی عدالت سے ہو گا، اس کے فیصلہ کا اختیار صرف وفاقی شرعی عدالت کو ہو گا۔
- انتظامیہ کا کوئی فرد جس میں صدر، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ شامل ہیں کوئی بھی شریعت کے خلاف احکامات نہیں دے سکے گا۔اگر ایسا کوئی حکم دیا گیا جو شریعت کے منافی تھا تو اسے سپریم کورٹ میں چیلنج کیا جاسکے گا۔حکومتی اعمال بھی آئین کے تابع رہتے ہوئے ذمہ داریاں سرانجام دیں گے اور بلا تفریق ان کا عدالتی احتساب کیا جاسکے گا۔
- مستند علماء اور قانون کے ماہرین جو مفتی بننے کی اہلیت رکھتے ہوں عدالتوں اور معاون عدالتوں کے جج مقرر کیے جائیں گے۔
- بل میں یہ بات بھی بیان کی گئی کہ صدر پاکستان، چیف جسٹس، چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش سے مفتیان کرام کا تقرر کیا جائے گا جو عدالت عالیہ اور وفاقی شرعی عدالت کے معاون ہوں گے جو اس معاملہ میں رہنمائی فراہم کریں گے کہ آیا یہ قانونِ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں۔
- اسلامی قانون کے ماہرین تیار کیے جائیں گے۔جس کے تحت وفاقی جوڈیشنل اکادمی اسلام آباد اور دیگر اداروں میں ایسے تدریسی پروگرام تشکیل دیے جائیں جو ایسے ماہرین پیدا کر سکیں۔ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے اسلامی اقدار کو فروغ دیا جائے گا اور فحاشی اور بے حیائی اور اسلامی اقدار کے منافی پروگرام نشر کرنے پر پابندی ہو گی۔

- تعلیم کو نظریہ اسلام کے مطابق بنانے اور ذرائع ابلاغ کو اسلامی اقدار کے موافق بنانے کے لیے حکومت ساٹھ دن میں ایک کمیشن بنائے گی۔ جس میں مذکورہ شعبوں کے ماہرین کے ذریعے سے سفارشات مرتب کر کے حکومت اس پر عمل درآمد کرائے گی۔
- مملکت کے تمام شعبوں مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے اراکین کے لیے شریعت کی پابندی لازمی ہو گی۔ اور یہ کہ وہ فرائض کی بجاآوری اور کبائر سے اجتناب کرنے والے ہوں۔
- قانون کی وہ تعبیر و تشریح قابل قبول ہو گی جو کتاب و سنت کے مطابق ہو گی۔[13]

ڈاکٹر محمود احمد غازی اس بل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''اس بل کے مندرجات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے بیشتر نکات کا تعلق آئین پاکستان کی دفعات میں مذکور ہے۔ بلاشبہ یہ بل نیک نیتی سے بنایا گیا تھا اور اس کے ذریعے سے مملکت میں شریعت کے نفاذ کے لیے اہم بنیادی ترامیم درکار تھیں۔ لیکن اس بل کا انداز تکنیکی وفنی طور پر دستور میں آئینی ترامیم کے اسلوب کے برخلاف تھا جس کی وجہ سے اس کی خاطر خواہ افادیت نہ رہی۔ بہرحال اس بل کے ذریعے سے مملکت میں شریعت کے نفاذ کے حوالے سے عوام الناس، میڈیا اور دیگر اہل علم میں اس مطالبہ کو خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔''[14]

۸۔نویں ترمیم ۱۹۸۵ء

جب غیر سرکاری طور پر تیار کردہ شریعت بل سینٹ میں پیش کیا گیا تھا تو اس دوران حکومت نے سینٹ میں نواں دستوری ترمیمی ایکٹ پیش کیا جو ۸ /جولائی ۱۹۸۶ء کو منظور کر لیا گیا جس کے مطابق قرآن وسنت ملکی قانون کے ماخذ ہوں گے۔ جن کا نفاذ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے وضع کردہ قوانین کے ذریعے سے ہو گا۔ وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات میں محدود توسیع کی گئی۔ ابھی اس بل کو قومی اسمبلی سے منظور ہونا تھا کہ جنرل ضیاء الحق نے اسمبلی اور کابینہ کو توڑ دیا جس کی وجہ سے یہ بل غیر مؤثر ہو گیا۔[15]

۹۔نفاذ شریعت آرڈیننس ۱۹۸۸ء

جنرل ضیاء الحق نے ۲۹/مئی ۱۹۸۸ء کو جب اسمبلی اور کابینہ کو توڑ دیا تو ایوان بالا سینٹ کو برقرار رکھا اور نگران کابینہ تشکیل دے دی اور حکومتی امور کی دیکھ بھال خود اپنے ہاتھوں میں رکھی۔ آئین کے مطابق انہیں ۹۰ دنوں کے اندر انتخابات کروانے تھے، اس سلسلے میں انہوں نے لیت ولعل سے کام لیا اور اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر عبدالواحد جے ہالے پوتا کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی جو مملکت کے لیے شریعت آرڈیننس تیار کرے۔ اس کمیٹی نے بڑی محنت سے متفقہ مسودہ تیار کیا جو جنرل ضیاء الحق نے ۱۵/جون ۱۹۸۸ء کو نفاذ شریعت آرڈیننس ۱۹۸۸ کے نام سے جاری کر دیا۔ اس آرڈیننس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنانے کی توثیق کے ساتھ عدالتیں اس بات کی پابند ہوں گی کہ وہ قرآن وسنت کے مطابق فیصلے کریں۔

قرآن وسنت ہی ملکی قانون کے ماخذ اصلی ہیں اور ریاستی پالیسی کے لیے ہدایت کا درجہ رکھتے ہیں۔

عدالتی نظام کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کے لیے مؤثر اقدامات کیے کہ کسی قانون کے بارے میں اختلاف ہو جائے کہ یہ قرآن وسنت کے خلاف ہے یا نہیں تو اسے وفاقی شرعی عدالت کے پاس فیصلہ کے لیے بھیجا جائے گا اور جو امور اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں، انہیں ہائی کورٹ میں بھیجا جائے گا اور وہاں قانونِ اسلامی کی رہنمائی کے لیے مفتیان کرام کا تقرر کیا جائے گا۔ یہ عدالتیں دوماہ کے اندر مذکورہ معاملہ میں فیصلہ کی پابند ہوں گی۔ اسی طرح علماء کو بطور جج اور وکیل کے تقرر کیا جاسکے گا اور موجودہ عدالتی ججوں اور متعلقہ عملے کو قرآن وسنت کی تعلیم دینے کا اہتمام کیا جائے گا تاکہ انہیں پیش آمدہ مسائل میں قرآن وسنت کی تعلیمات سے واقفیت حاصل ہو سکے۔[16]

۱۷/اگست ۱۹۸۸ء کو ضیاء الحق جہاز کے ایک حادثے میں انتقال کر گئے۔ ان کے بعد سینٹ کے چیئرمین غلام اسحاق خان نے قائم مقام صدر کا عہدہ سنبھالا۔ تو انہوں نے اس کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ہی اس آرڈیننس کی عبوری توسیع کر دی۔ اس دوران انتخابات کے ذریعے بے نظیر بھٹو نے ۲/دسمبر ۱۹۸۸ء کو وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھالا۔ ۱۴/فروری ۱۹۷۹ء کو نفاذ شریعت آرڈیننس کی مدت اختتام پذیر ہو رہی تھی لیکن حکومت نے اس میں توسیع نہیں کی جس کی وجہ سے یہ آرڈیننس خود بخود ختم ہو گیا۔[17]

۱۰۔ شریعت بل ۱۹۹۱ء

۱۹۹۱ء میں محمد نواز شریف وزیر اعظم تھے۔ ان کی وزارت عظمیٰ میں شریعت بل قومی اسمبلی سے منظور ہوا۔ اس بل کے آغاز میں قرارداد مقاصد کو بنیاد بنا کر ایک ایسے نظام کی ضرورت محسوس کی گئی جو اسلامی اقدار کے موافق ہو۔ اس مقصد کے لیے ایک قانون بنایا گیا جسے نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء کا نام دیا گیا۔ جس کا اطلاق پورے پاکستان پر ہو گا اور فوری نافذ العمل ہو گا۔ اس ایکٹ کے احکامات کا اطلاق غیر مسلموں کی نجی زندگی مثلاً پرسنل لاء، مذہبی آزادی، روایات اور رسوم ورواج پر نہیں ہو گا۔ اس بل کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

آغاز میں بتایا گیا کہ شریعت سے مراد قرآن وسنت کے احکامات ہیں اور ان کی توضیح وتشریح کے لیے مسلمہ اصولوں اور فقہاء کی آراء پر عمل کیا جائے گا۔ کسی فرقہ کے پرسنل لاء میں قرآن وسنت کی وہ تعبیر مراد لی جائے گی جو اس فرقہ کے اپنے مذہب کے مطابق ہو گی۔

قوانین کی ایک سے زائد تعبیرات کی صورت میں وہ تعبیر لی جائے گی جو قرآن وسنت کے مطابق ہو گی۔ مملکت کے شہریوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت کی پیروی کریں۔ شریعت کی تعلیم کی غرض سے حکومت شہریوں کے لیے علوم اسلامیہ کی تعلیم کا مناسب بندوبست کرے گی۔ تعلیم کو نظریہ اسلام کے مطابق ڈھالنے کے لیے ایکٹ کے نفاذ کے بعد ۳۰ دنوں میں اس مقصد کے لیے ماہرین پر مشتمل کمیشن بنایا جائے گا جو اس بارے میں حکومت کو سفارشات بھیجے گا۔

پاکستان کے معاشی نظام کو اسلامائز کرنے کے لیے ایکٹ کے نفاذ سے ۳۰ دنوں میں ایک کمیشن تشکیل دیا جائے گا جو ماہرینِ اقتصادیات، بینکاروں اور اسلامی قانون وفقہ کے جاننے والے علماء پر مشتمل ہو گا۔ جو اس بارے میں سفارشات مرتب کر کے حکومت کو پیش کرے گا اور ربٰو (سود) کے خاتمہ کو یقینی بنائے گا۔

ذرائع ابلاغ کو اسلامی اقدار کے مطابق ڈھالنا، مملکت کے شہریوں کی جان، مال اور عزت کا تحفظ، رشوت و بدعنوانی کا خاتمہ، سماجی برائیوں کی روک تھام اور عدالتی نظام کو اسلام کے نظام عدل کے مطابق ڈھالنے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں گے۔[18]

اس بل کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس بل کی بیشتر شقوں کا تعلق آئین پاکستان کی دفعات سے ہے۔ جس میں حکومت نے ایسا غیر مؤثر بل منظور کیا جس میں اسلامی حوالے سے کچھ اقدامات کرنے کا عہد کیا اور کچھ امور کے لیے کمیشن بنانے کی تجاویز سامنے آئیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ ۱۹۹۰ء کے انتخابات میں نفاذ شریعت اہم انتخابی موضوع تھا۔ حکومت اس سے عہدہ برآ ہونا چاہتی تھی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس بل کے ذریعے حکومت آئین پاکستان کی اسلامی شقوں میں مناسب ترامیم کرتی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ نتیجتاً بل کی منظوری سے نظام کے بنیادی ڈھانچے میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکی۔

۱۱۔ پندرہویں ترمیم ایکٹ ۱۹۹۸ء

محمد نواز شریف کی وزارتِ عظمیٰ میں آئین میں پندرہویں ترمیم پیش کی گئی جو ایکٹ ۱۹۹۸ء کہلاتا ہے۔ اس ایکٹ کے آغاز میں قرارداد مقاصد کو بنیاد بنا کر اسلامی نظام کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ایک اقدام کیا گیا تھا، کہ قرارداد مقاصد کو جو پہلے سے آئین پاکستان کی دفعہ 2A کے تحت آئین پاکستان کے قابل عمل حصہ میں شامل تھی اس دفعہ میں مزید اضافہ کرتے ہوئے 2B میں قرآن و سنت کو پاکستان کا سپریم لاء قرار دینے کی سفارش کی۔ اس کے تحت حکومت کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ ملک میں نظام صلوٰۃ، زکوٰۃ قائم کرے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی بجاآوری کرے۔ اسی کے ساتھ دفعہ ۲۹۳ میں بھی ترمیم تجویز کی گئی۔[19]

یہ بل پیش کرتے ہوئے وزیر اعظم نواز شریف نے اظہار خیال فرمایا کہ ہم قرآن و سنت کو سپریم لاء بنانے کا بل پیش کر رہے ہیں، اور یہ کہ عدالتوں میں جو آئین و قانون کی الگ الگ تشریحات کی جاتی ہیں اور اس کے ذریعے سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، اس بل کے ذریعے سے ان کا ازالہ ہو جائے گا۔ اسی طرح انہوں نے واضح کیا کہ اس بل سے غیر مسلموں کے شخصی قوانین، مذہبی آزادی اور رسم و رواج پر کوئی چیز اثر انداز نہیں ہو سکے گی۔ اسی طرح انہوں نے سورہ حج کی آیت ۴۱ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے کہ وہ ملک میں نظام صلوٰۃ اور زکوٰۃ قائم کرے اور نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے، تو پندرہویں ترمیم میں اس بات کو شامل کیا جائے گا کہ مذکورہ امور حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ہیں۔[20]

اس ایکٹ کو قومی اسمبلی نے پاس کر دیا تھا۔ اور یہ ایکٹ ایوان بالا سینٹ میں زیر غور تھا کہ ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۹ کو فوج کے سالار اعظم جنرل پرویز مشرف نے اقتدار پر قبضہ کر کے قومی اسمبلی اور سینٹ کو تحلیل کر دیا۔ جس کی وجہ سے یہ ایکٹ قابل عمل نہیں رہا۔ بہر حال اس بل سے قوی امید تھی کہ مملکت خداداد پاکستان میں شریعت کے نفاذ میں مدد ملتی، چوں کہ یہ بل ایک منتخب حکومت نے منظور کیا تھا۔ لیکن اس ملک کا جمہوری طور پر عدم استحکام کا شکار ہونا، اس اہم بل میں آڑے آگیا۔

نتائج/سفارشات

مندرجہ بالا آئینی و قانونی کاوشوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں مختلف اوقات میں جہاں متفرق مکاتب فکر کے علماء کی جانب سے پاکستان میں نفاذ اسلام کے لیے کوششیں کی جاتیں رہیں جن کا تذکرہ راقم کے آرٹیکل "ہزارہ اسلامکس جنوری تا جون ۲۰۱۸" میں پڑھا جاسکتا ہے، وہاں آئینی و قانونی سطح پر بھی نفاذ اسلام کے لیے کوششیں کی جاتی رہیں جن کا تذکرہ مذکوہ آرٹیکل میں کیا گیا ہے۔ لیکن یہ کاوشیں یا تو پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکیں، یا ان میں کچھ سقم موجود رہے جن کی وجہ میں پاکستان میں نفاذِ اسلام کا خواب ابھی تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان سابقہ کاوشوں کی مدد سے آئینی و قانونی طور پر نفاذ اسلام کی ایسی کوشش کی جانی چاہیے جو سابقہ سقم اور دیگر حائل عوامل سے پاک ہوں تاکہ پاکستان میں صحیح معنوں میں نفاذ اسلام کیا جاسکے۔ اس سلسلے میں آئین پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپیلیٹ بنچ سے متعلقہ دفعات سے سقم دور کرنے کے لیے سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

۱. وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار سے مستثنیٰ قوانین مثلاً دستور، مسلم شخصی قانون اور عدالت یا ٹریبونل کے ضابطہ کار سے متعلق قانون کو بھی عدالت کے دائرہ اختیار میں داخل کیا جائے۔

۲. وفاقی شرعی عدالت میں تین کے بجائے کم از کم چار علماء کو شامل کیا جائے۔ تین کی صورت میں دیگر پانچ جج ان تینوں علماء کی مخالفت کی صورت میں بھی کوئی فیصلہ کرنے کے مجاز ہو سکتے ہیں، جس سے اس عدالت کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

۳. شریعت اپیلیٹ بنچ کے علماء ارکان کی مدت کی تعیین صدر کی صوابدید کے بجائے سپریم کورٹ کے عام ججوں کے برابر کی جائے اور ریٹائرمنٹ، برطرفی یا استعفیٰ کے وہی قواعد و ضوابط لاگو ہوں جو کہ سپریم کورٹ کے ججوں کے لیے مقرر ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

[1] مفتی محمد تقی عثمانی، **اسلام اور سیاسی نظریات**، (کراچی: مکتبہ معارف، نومبر ۲۰۱۰ء)، ص ۱۰۸۔۱۰۹۔

[2] **اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور**، (اسلام آباد: وزارتِ قانون وانصاف وانسانی حقوق اسلام آباد، ۲۰۱۲ء)، حصہ ہفتم، نظامِ عدالت، باب ۳-الف۔ وفاقی شرعی عدالت، آرٹیکل ۲۰۳ (الف تاج)۔

[3] ایضاً آرٹیکل ۲۰۳ (د)۔

[4]ایضاً آرٹیکل ۲۰۳ (د د تاہ)۔

[3] ایضاً آرٹیکل ۲۰۳ (و تای)۔

[6] نعیم صدیقی (مرتب)، دستوری رپورٹ پر علمائے پاکستان کا تبصرہ اور ترمیمی تجاویز، مشمولہ: ماہنامہ چراغ راہ، (کراچی: دفتر چراغ راہ، فروری ۱۹۵۳ء)، ج ۶، ش ۲، ص ۱۵۔۱۶۔

[7] نظام اسلام، **وفاقی شرعی عدالت اور آرڈیننس کا نفاذ**، مشمولہ: ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی (دستور پاکستان نمبر)، (کراچی: شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ احتشامیہ جیکب لائن، جولائی واگست ۲۰۰۹ء)، ج ۱۱، ش ۷۔۸، ص ۱۶۷۔

[8] امام محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (دمشق: دار ابن کثیر، ۱۴۲۳ھ)، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، رقم الحدیث: ۱۳۹۵۔

[9] قادیانیت کے متعلق ضیاء آرڈیننس ۱۹۸۱ء تا ۱۹۸۴ء، مشمولہ: ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی (دستور پاکستان نمبر)، (کراچی: شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ احتشامیہ جیکب لائن، جولائی واگست ۲۰۰۹ء)، جلد ۱۱، شمارہ ۷۔۸، ص ۱۶۷۔

[10]ایضاً ص ۱۶۸۔۱۶۹۔

[11] ایضاً جدول سوم، عہدوں کے حلف۔

[12] مولانا سمیع الحق، **اقتدار کے ایوانوں میں شریعت بل کا معرکہ**، (اکوڑہ خٹک: مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ، جنوری ۱۹۹۱ء)، ص ۴۷۔۴۸۔

[13] ایضاً ص ۱۶۷۔۱۷۸۔

[14] ڈاکٹر محمود احمد غازی، **پاکستان میں قوانین کو اسلامیانے کا عمل**، (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، جنوری ۲۰۱۱ء)، ص ۳۳۔

[15]ایضاً ص ۳۳۔

[16] ڈاکٹر محمد امین، **عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون**، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، نومبر ۱۹۸۹ء)، ص ۲۳۷۔۲۳۸۔

[17] ایضاً ص ۲۴۰۔۲۴۱۔

[18] ڈاکٹر صفدر محمود، **آئین پاکستان تجزیہ وموازنہ**، (لاہور: جہانگیر بکس، سن ندارد)، ص ۱۹۴۔۲۰۰۔

[19] ایضاً ص ۲۰۷۔۲۰۹۔

[20] National Assembly of Pakistan Debates, Official Report Friday, 28th August,1998, Vol.IV, No.3,(Karachi:The Manager of Publication, 1998),p. 292-295.